هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ

کیا

اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے

قاضی حاجی محمدؐ سلیمان صاحب سلمان منصورپوری کا

ایک لیکچر

جس کو شیخ ہدایت اللہ صاحب ضلعدار مینجر دفتر

رحمۃ للعالمین۔ ریاست پٹیالہ نے

بار سوم۔ تعداد جلد ایک ہزار قیمت ۴/

ملنے کا پتہ:۔ شیخ ہدایت اللہ ضلعدار مینجر۔ دفتر رحمۃ للعالمین۔ پٹیالہ۔ عطر والہ دروازہ۔

خریدکردہ وقف شیعہ برائے لائبریری بقیمت /4/ رسید (   )

زمانہ تولیت عالیجناب فیضمآب معلی القاب سید السادات رفیع الدرجات

خان بہادر مولوی سید محمد حسین صاحب شوق زیدی سب جج مینیجر وسیکریٹری (

متولی وقف شیعہ میرٹھ دام اقبالہ و زید اجلالہ $\frac{28-4}{1926}$ محمد اعلیٰ حسن خاں کل مہتمم کتب خانہ وقف شیعہ میرٹھ عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وسلام علے المرسلین۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا

ومولانا محمد النبی الامی المؤید بالایات المبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ÷

امابعد۔ یہ رسالہ دراصل ایک لکچر ہے۔ جو میں نے انجمن نعمانیہ لاہور کے

سالانہ جلسہ سنہ ۱۸۹۹ء میں دیا تھا ÷

اب احباب نے چاہا کہ اسے علیحدہ شائع کیا جائے۔ امید ہے کہ برادران

دین اسے غور سے پڑھینگے۔ اور حق کے متلاشی۔ اور سچے دین کے طالب اس کے

مطالب پر تدبر فرمائیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ ÷

خاکسار

قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ (بھٹنڈہ ریاست پٹیالہ)

۲۷۔ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم۔

معتبر مسلمین۔ رحمکم اللہ

اعتراض۔

اسلام کے معترضین اسلام کی بے نظیر و شاندار ترقیات کو (جو اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی کا مصداق ہیں) دیکھکر بسا اوقات کہا کرتے ہیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ اس فقرہ کے استعمال سے شائد یہ لوگ خیال کرتے ہونگے۔ کہ اسلام کی صداقت پر کوئی دھبا لگا سکیں گے۔ لیکن قبل ازان کہ فقرہ مذکور کا کوئی اثر اسلام تک پہونچے:۔

کیسے لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کیونکر سچے ہیں۔

قائل کی نسبت ہر ایک واقف شخص امور مندرجہ ذیل کا فیصلہ کر سکے گا:۔

(۱) وہ تاریخ اسلام سے ناآگاہ ہے:۔

(۲) جن اسباب سے قومی اقبال و ادبار وابستہ ہوتے ہیں اور جن وجوہ پر ترقی و تنزل اقوام کا مقیاس الحرارت کم و بیش ہوتا رہتا ہے ان سے بے خبر ہے:۔

(۳) وہ نہیں جانتا کہ صداقت میں کیسی اعلیٰ طاقت ہے۔ اور اس کے پرزور ہاتھ وسعت پذیری و کشور کشائی میں کیسے طاق ہیں:۔

ہم ایسے شخص کو جو اسلام پر ایک اعتراض کرنے سے خود ہی اعتراضات چند در چند کا مورد اور محققین کا نشانۂ ملامت بن گیا ہو قابل نفرت نہیں بلکہ قابل ترحم خیال کرتے ہیں:۔

واقعات اُس کے اعتراض کی لغویت کو خود ثابت کر دیں گے اس بارہ میں بعض مصنف عیسائیوں نے بھی قلم فرسائی کی ہے۔ اور اپنی سلیم الطبعی کا ثبوت دیا ہے:۔

با انصاف عیسائی مصنفوں کی رائیں

گاڈفرے ہگنس اپنی کتاب کے (فقرہ ۵-۱۵۲) میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب پادری اور عیسائی بیان کرتے ہیں۔ کہ محمدؐ کے مسائل کی کامیابی صرف بوجہ شمشیر ہوئی ہے۔ تو ظاہرا وہ علت کو بجائے معلول کے استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ تلوار چلانے کی علت ہاتھ کی حرکت ہے۔ اور ہاتھ کی حرکت کا باعث دینی حرارت ہے۔ اور دینی حرارت کا موجب وہ پختہ اعتقاد ہے۔ جو آنحضرت صلعم کے مسائل کی صداقت پر ان لوگوں کو تھا:۔

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کا ایک مضمون نگار لکھتا ہے کہ تلوار تو ابتدا ہی سے آنحضرتؐ کے خلاف میں تھی:۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں "یہ خیال کرنا کہ تعلیم قرآنی کی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی تھی سخت غلطی ہے۔ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرّا ہیں۔ وہ سب بلا تامل تسلیم کریں گے۔ کہ دینِ محمدی مشرقی دنیا کے لیئے ایک حقیقی برکت تھا۔ اور اس وجہ سے خاص کر اس کو اُن خونریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جس کا استعمال بلا استثناء و بلا امتیاز کے حضرت موسےٰ نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنے کے لیئے کیا تھا"۔

فقرات بالا سے بخوبی واضح ہے۔ کہ جب کسی غیر قوم کے منصف شخص نے اپنی معلومات کو صرف تاریخ سے بڑھایا ہے۔ اور اُس میں عصبیت اور بچپن کے سُنے سُنائے خیالات کو شامل ہونے نہیں دیا ہے۔ تو اُس کو صاف طور پر اقرار کرنا پڑا ہے۔ کہ معترضین نے اشاعت اسلام پر اعتراض کرنے میں صداقت اور واقفیت سے کام نہیں لیا۔ میں اس مضمون میں چند امور پر آپ کی توجہ کو منعطف کرنا چاہتا ہوں:۔

اوّل آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اُس برداشت اور تحمل کا خیال کیجیئے۔ جو اشاعت اسلام میں گوناگون مصائب و تکالیف پر فرماتے تھے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اصل فطرت اور طبیعت کا سچا میلان صاف نظر آئیگا:۔

جب سے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وعظ توحید شروع کیا تھا۔ کل قوم اور جملہ قبائل میں عداوت کی گویا آگ بھڑک اٹھی تھی۔ کوئی راہ چلتے سر مبارک پر مٹی گراتا۔ کوئی درِ مبارک پر خون و سنڈاس گرا جاتا۔ کوئی پتھر سے جسم نازک کو زخمی کرتا۔ کوئی نماز تہجد کے لیئے بیت اللہ جاتے کے وقت اندھیری راتوں میں سرِ راہ کانٹے بچھا جاتا۔

سیمیں بدنے کش ز گل آزار بود + وز سایۂ سنبل رخش افگار بود۔
بنگر چہ رسد بر دلش از غم کہ رہش + از دستِ ستمگراں پر از خار بود۔

اہل مکہ کی سنگدلی سے آزردہ ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم دعوت دین حقہ کے لیئے قبیلہ بنی بکر بن وائل کی جانب تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے حضور کو ٹھہرنے تک نہ دیا:۔

پھر قبیلہ قحطان میں تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے پہلے تو ٹھہرنے کی اجازت دی۔ مگر پھر وہاں سے چلے جانے پر مجبور کیا۔ پھر ثقیف میں ایک ماہ تک آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم رہے وہاں کے شہریوں نے لڑکوں اور غلاموں کو سکھا دیا۔ کہ حضور کو جہاں دیکھ لیا کریں پتھر مارا کریں:۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جب سنگباری سے لاچار ہو کر بیٹھ جاتے تو وہ پتھر مارنے سے

تھم جاتے۔ جب حضور آگے چلنا چاہتے۔ تو پھر پتھراؤ شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہہ بھی لگاتے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپر بناتے۔ کبھی آگے ہو جاتے۔ کبھی پیچھے۔ کئی دفعہ ان کا سر پتھروں سے گھل گیا:۔

دور اغیار روا ز دیوار سنگ بارے آید ۔۔۔ بلائے دردمنداں ز در و دیوارے آید

کوئی صاحب یہ خیال نہ کریں۔ کہ مخالفین کے اس قدر ظلم و جور کی برداشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیچارگی۔ اور درماندگی کی وجہ سے کرتے تھے۔ سب کو معلوم ہے۔ کہ جب سنہ نبوت میں کل قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے بنی ہاشم کو اپنے ساتھ متفق ہونے کو کہا تھا۔ تو انہوں نے حقوق قرابت کا لحاظ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ اور جب قریش نے بنی ہاشم کے ساتھ اسی رفاقت کی وجہ سے نشست و برخاست داد و ستد۔ رشتہ و ناطہ بند کر دیے۔ تب بھی انہوں نے شعب ابوطالب میں محصور ہو کر قیدیوں جیسے تین سال نبی صلعم کے ساتھ رہ کر پورے کیے۔ غرض آنحضرت ص کا قبیلہ آنحضرت ص کی رفاقت میں اس قدر مستعد تھا۔ اور بنی ہاشم کے سوا مسلمانوں کی تعداد مزید برآں تھی۔ لیکن تاہم مکہ میں حضور ہر طرح کے ستم و جور کو برداشت فرماتے رہے۔ اور کبھی اپنے قبیلہ یا فرمان برداروں سے مدافعت کے لیئے ارشاد نہیں فرمایا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر صلح جو اور ظالموں سے درگذر کرنے والے تھے:۔

انتہائے ستم کے وقت آنحضرت صلعم کی درگذر اور عفو کے نمونے۔

وحشی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا امیر حمزہ رضہ (اسد اللہ و رسولہ) کو دھوکے سے مار کر ناک کان وغیرہ کاٹے۔ کلیجہ نکالا۔ پھر بھی جب سامنے آکر معافی کا خواستگار ہوا تو معاف کر دیا:۔

ہبار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی زینب کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے گر گئیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ اور اسی صدمہ سے کچھ عرصہ بعد وہ مر گئیں۔ جب ہبار نے سامنے آکر عفو کے لیئے التجا کی۔ تو معاف کر دیا:۔

ایک درخت کے نیچے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے۔ تلوار شاخ سے لٹکا دی۔ ایک دشمن آیا۔ تلوار نکال کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گستاخانہ جگایا۔ اور بولا اب کون تم کو بچائیگا فرمایا اللہ۔ وہ شخص ہیبت زدہ ہو کر چکر کھا کر گر پڑا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھائی فرمایا۔ اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا جاؤ۔ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔ بلکہ بتلانے آیا ہوں۔ کہ دشمن پر یوں رحم کیا کرتے ہیں:۔

خیال فرمائیے۔ کہ جب سگی بیٹی حقیقی چچا۔ اور خاص نفس مبارک کے قاتل کو معاف کر دیا تو اس سے بڑھکر کونسی بات باقی رہ گئی۔ جس سے منکسر المزاجی اور امن پسندی کا اظہار ہو سکتا ہے

اس کے بعد آپ ان پاک نہادوں کے حالات پر نظر ڈالیں جنہوں نے سبقت کر کے داعی ربانی کو لبیک کہا تھا:۔

یہ امر صاف اور روشن ہے۔ کہ اجبار و اکراہ سے نفرت و بیزاری پیدا ہوتی ہے اور بیزاری و نفوری سے عداوت کی زہر بڑھتی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو فرض محال کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا تھا۔ تو خیال کرو۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے تھا؟

اس کا لازمی اور ضروری نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ وہ سب لوگ جن سے بزور شمشیر کلمہ پڑھوایا گیا تھا اسلام کے لئے مار آستین کا کام دیتے۔ اور موقع ملنے پر اسلام کو بن و بیخ سے اکھاڑ پھینکنے میں سعی کرتے۔ لیکن جن لوگوں نے تاریخ اسلام کو پڑھا۔ اور مسلمانوں کے خلوص و صدق کے تاریخی واقعات کو ملاحظہ کیا ہے۔ اُسے نہایت ہی دلفریب چمنستان کا ایک نظارہ دیکھنا نصیب ہوگا:۔

ایک بار حبیب خدا صلے اللہ علیہ آلہ وسلم بیت اللہ میں سر بسجدہ تھے۔ ظالم عقبہ بن ابی معیط نے آکر گردن میں چادر ڈالکر ایسے زور سے لپیٹ دینے شروع کیے۔ کہ گلوئے مبارک گھٹ کر آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔ اللہ اکبر حضور کا استغراق بھی کیسا تھا۔ کہ جو سر مالک کے سامنے جھک چکا تھا۔ اُس میں باوجود اس قدر جسمانی تکلیف کے بھی ذرا ادھر اُدھر جنبش نہ ہوئی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے جنہوں نے اُسے دھکا دیکر ہٹایا۔ اور زبان سے یہ آیت بھی پڑھکر سنائی اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ۔ کیا تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جرم میں مارتے ہو۔ کہ وہ پروردگار عالم کو اپنا معبود کہتے ہیں۔ اور اپنی سچائی کے لئے تمہارے سامنے بیّنات (معجزہ و براہین) بھی پیش فرماتے ہیں۔ یہ شقی اور اُس کے اعوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چمٹ گئے۔ ایک داڑھی کھینچتا تھا۔ دوسرے نے سر کے بال پکڑ رکھے تھے۔ ایک زدوکوب کر رہا تھا حتیٰ کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور وہ ان کو نیم مردہ کر کے چلے گئے:۔

صدیق وہ شخص تھے جن کے تاجرانہ تعلقات نہایت وسیع تھے۔ سینکڑوں اشخاص کا ان سے داد و ستد تھا۔ بیسیوں ان کے مقروض تھے۔ باایں ہمہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے ایسی مقتدر شخص کی

یہ حالت کیجاتی تھی۔ رہے ضعیف مسلمان۔ ان بیچاروں کی کچھ نہ پوچھو۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ اپنے والد یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مسلمان ہو گئے تھے۔ ابو جہل نے بی بی سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رانوں کے درمیان نیزہ مار کر ان کا شکم چاک کر دیا۔ یاسر رضی اللہ عنہ کو نوک شمشیر و سنان نیزہ سے زخمی اور پتھروں سے سنگ بار کر کے شہید کیا۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا تعالیٰ نے ابھی دنیا پر باقی رکھنا تھا۔ وہ اگرچہ پانچ ساتھ ہر ایک دکھ میں شریک تھے۔ مگر جان بر ہو گئے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن میں رسی ڈالکر لڑکوں کے ہاتھ میں سونپ دی جاتی۔ وہ ان کو گلی کوچے۔ محلوں۔ بازاروں میں کھینچے کھینچے لیئے پھرتے۔ جب دوپہر ہو جاتی۔ تو گرم پتھر پر لٹا کر ایک دوسرا گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا۔ لیکن یہ تھے اللہ کے مقبول بندے۔ کہ زبان سے آواز نکلتی تھی۔ تو ہو اللہ احد احد:۔

زبیر بن العوام جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ سردار زادہ تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے اب و عم کو خبر ہوئی تو ان کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر کھڑا کر دیتے اور نیچے سے دھواں کر دیتے کہ کسی طرح اسلام کو چھوڑ دے۔ لیکن اسلام وہ چیز نہ تھا۔ جو ان سابقین کے دل سے نکل جاتا:۔

عبد اللہ بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحم دل عیسائیوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے تھے۔ قیصر کے سامنے لئے گئے۔ اُس نے ترک اسلام کا حکم دیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قیصر نے خفا ہو کر حکم دیا۔ کہ پھانسی کے تھم کے ساتھ باندھ دیئے جاویں۔ تین شبانہ روز کے بعد اتار کر پھر ترک اسلام کے لیئے کہا گیا تو انہوں نے پہلے سے زیادہ استقلال کے ساتھ انکار کیا۔ اُس وقت کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں اُن کو بٹھلایا گیا تمام بدن پر پھپولے پڑ گئے۔ لیکن ثبات و استقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی۔ قیصر نے کہا چھوڑ دو۔ پھر پاس بلا کر کہا۔ کہ تم کو اسلام کے لیئے بہایت تکلیف دیگئی۔ فرمایا۔ کاش میں دنیا میں سو دفعہ پیدا کیا جاؤں اور ہر دفعہ اسلام کے لیئے ایسے ہی مصائب خوشی کے ساتھ گوارا کرتا رہوں:۔

حبیب بن زید مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسیلمہ کذّاب نے گرفتار کر لیا تھا جب پوچھتا کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو تو کیا سمجھتا ہے؟ تو فرما دیتے رسول اللہ۔ جب وہ پوچھتا کہ تو میری رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے یا نہیں۔ تو فرما دیتے کہ مجھے اور کوئی بات سُنائی نہیں دیتی۔ مسیلمہ کذاب نے خفا ہو کر حکم دیا۔ کہ ان کا ایک ایک جوڑ بند بند سے جدا کرتے رہو۔ اور پھر ایک ایک عضو کے کاٹنے کے بعد یہی سوال کرتے رہو۔ مگر اس اللہ کے مقبول نے اپنے جواب کے یہی لفظ رکھے۔ کہ محمدؐ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہوں۔ اور دوسری بات کوئی مجھے سنائی نہیں دیتی:۔

حبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلیع الارض کو قریش نے پکڑ لیا۔ کچھ عرصہ تک قید رکھنے کے بعد پھانسی دینے کے لئے باہر نکالا۔ پھانسی کے نیچے لے جا کر کہا۔ کہ اسلام چھوڑ دے تجھے آزاد کر دیا جاویگا۔ انہوں نے فرمایا بخدا اے رب العزۃ اگر روئے زمین کی سلطنت بھی میرے سامنے پیش کرو۔ تو ترک اسلام کا نام نہ لوں۔ قریش نے کہا بھلا تو پسند کرتا ہے۔ کہ تو اپنے گھر میں صحیح وسلامت ہوتا۔ اور یہاں تیری جگہہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) قید ہوتے۔ فرمایا میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ حضور کے پائے مبارک میں ایک کانٹا لگ کر بھی میری جان بچ جائے۔ پھانسی پر نہایت استقلال اور کشادہ پیشانی کے ساتھ چڑھ گئے۔ اور چند اشعار سریلی آواز میں پڑھ کر سنائے:-

جب نکلتی جان ہے اسلام پر — تب نہیں پرواہ مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کا ل خوشی سے اپنی جان — چاہئیے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں میرے سینہ میں تھی — اس دل مشتاق پر ارمان کی
آنکھ کر لیتی زیارت وقت نزع — داعیٔ حق ہادیٔ ایمان کی
اے خدا پہنچا میرا اس کو سلام — جان جس پہ میں نے ہے قربان کی

اے اہل انصاف میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ محبت یہ استقامت کیا ان لوگوں میں ہو سکتی ہے۔ جس کا پیارا آبائی مذہب بزور شمشیر چھڑایا گیا ہو۔ اور جسے مجبور کر کے نئے دین کا کلمہ گو بنایا گیا ہو۔ لا واللہ۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں:-

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلوص اور جان نثاری کے واقعات کہاں تک سنوگے اور ان کے فدائیانہ جوش کا کہاں تک اندازہ لگاؤ گے:-

آغاز بعثت سے لیکر پانچ سال تک مسلمانوں نے نہایت دلیری و استقلال سے گوناگوں تکلیف کو برداشت کیا۔ لیکن جب پیارا وطن دشمنوں کی آتش غضب سے آگ کا تنور بن گیا۔ تو سب نے وطن کو چھوڑ کر اقارب سے منہ موڑ کر حبش کی راہ لی:-

قدیم عرب۔ بحری سفر سے اکثر گریزاں تھے۔ لیکن اپنے دین کے بچاؤ کے لئے تمام خطرات کو خوشی خوشی سے برداشت کر کے افریقہ کو چلے گئے۔ ان مصیبت زدوں نے ایک دفعہ سن پایا تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قریش کے ساتھ صلح ہو گئی ہے۔ اور مسلمانوں کا ستانا قوم نے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر وطن کی محبت میں حبش سے چل پڑے۔ لیکن عرب کی

سرزمین پر قدم رکھتے ہی معلوم ہوگیا۔ کہ مکہ میں جس قدر مسلمان ہیں۔ وہ چکی میں پڑے ہوئے دانہ کی طرح تکالیف میں پسے جاتے ہیں۔ تو یہ بیچارے پھر واپس ہوگئے:۔

اے سامعین کیا جو لوگ تلوار کے ذریعہ سے مجبور کیئے جاتے ہیں۔ وہ اسی صفت کے ہوا کرتے ہیں؟

مسلمانوں کی مصیبتوں کا پیالہ لبریز ہوچکا تھا۔ اور سینکڑوں مسلمان قریش کے ظالمانہ تعصب کے بھینٹ بنائے جاچکے تھے:۔

آخر رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تنگ ہوکر قریبًا ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر تشریف لیگئے مدعا یہ تھا کہ خدا کی عبادت۔ اور سچی تعلیم کی اشاعت کا جہاں بھی موقعہ ملے۔ وہی ہمارا وطن ہے۔ دشمنوں کو ان کا زمین کے پردہ پر رہنا شاق تھا۔ چڑھائی کی تیاری کرنے لگے۔ اس وقت نبوت سے چوداں سال کے بعد مسلمانوں کو بھی مدافعانہ جنگ کی اجازت ملی۔ جو مسلمان میدان جنگ میں آسکے تھے۔ اُن کی تعداد ۳۱۳ تھے۔ یہ بدر کا ذکر ہے:۔

اس کے بعد۔ اُحد کی لڑائی مشہور ہے۔ کل عرب نے گیارہ من تین سیر سونا۔ اور ایک ہزار اونٹ چندہ میں اکٹھے کیئے اور پانچ ہزار جوان کارزار دیدہ۔ جنگ آزمودہ۔ اس قسم سے مسلح بنائے گئے۔ اور تین سو میل سے مسلمانوں پر چڑھائی کیگئی۔ مسلمان بالکل بےسروسامان تھے نیز تعداد میں کم (صرف سات سو) پھر بھی کیسے جوش اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کہ پہاڑ بھی اس ثبات واستحکام کو دیکھکر لرز گئے:۔

حنظلہ (غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک رات کی بیاہی دُلھن کو چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچے۔ اور شادی کے جوڑے کو اپنے ہی خون سے رنگین بنایا:۔

مصعب بن عُمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باپ کے لاڈلے۔ اور پوتڑوں کے امیر تھے۔ دو دو سو روپیہ کی پوشاک زیب بدن کیا کرتے تھے۔ مسلمان ہوکر ایسا زہد اختیار کیا کہ بکری کی کھال سے بدن چھپا لیتے اور حُلّۂ حریر سے زیادہ اس پر خوش رہتے۔ اُحد میں اسلامی جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا حریف نے دست راست کو زخمی کردیا۔ تو علم دوسرے ہاتھ میں تھام لیا۔ جب وہ بھی تیروں سے شل ہوگیا تو دونوں ہاتھوں کے سہارے اور سینہ کی آڑ سے نشان کو تھام رکھا۔ آخر جب حلق پر تیر کھاکر گھوڑے سے گرے تو کلمہ طیب پڑھی جان دی:۔

گر نثار قدم یار گرامی نہ کنم — گوہر جان بچہ کار دگرم باز آید۔

اس جنگ میں ایک انصاری عورت کا باپ بھائی بیٹا شوہر شہید ہوگئے تھے۔ تین کوس پر شہر تھا

نمبر اول

خبر جا پہنچی۔ وہ شام کو سرِ راہ آکھڑی ہوئی۔ پوچھا کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی زندہ ہیں۔ اگر حضور زندہ ہیں تو مجھے کسی شخص کی موت کا غم نہیں :-

من و دل گر فدا شدیم چہ باک ۔ غرض اندر میان سلامت تست

عمرؓ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جنگ میں شربت شہادت پیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُس کی ماں سے چند کلمات تعزیت فرمائے۔ وہ بولی۔ کہ جب حضور کو خداوند تعالیٰ نے بچا لیا تو اب میں ہر ایک مصیبت کو باسانی برداشت کر سکتی ہوں :-

طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی جنگ میں ۷۵ زخم لگے تھے ایک تلوار کا سر پر ایسا وار لگا کہ لڑکھڑا کر گر گئے۔ صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُن کے منہ میں پانی ڈالا۔ ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کیسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی نے مجھے تمہاری خبر گیری کے لئے بھیجا ہے۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اوہ مجھے اپنی جان کی کچھ پرواہ نہیں"

عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگل میں تھے۔ دشمن نے پس پشت سے آکر جان ستان نیزہ مارا تو اُن کے منہ سے یہی نکلا۔ فُزتُ وربّ الکعبہ :-

رب کعبہ کی مجھے سوگند ہے ۔ ل گیا مجھ کو میرا دل بند ہے

سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلصان درگاہ میں سے تھے۔ ایک صحابی نے انہیں زخموں سے چور لہو میں شرابور جان کنی کی حالت میں پایا۔ کہا میری وصیت سن لو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت مبارک میں جاکر خادم درگاہ کو حد کا سلام عرض کر دینا۔ اور گزارش کر دینا کہ خداوند کریم حضور کو بہترین جزا عطا فرمائے حضور کے طفیل ہم کیسی کیسی مراتب رفیعہ کو پہنچ گئے۔ نیز میرے احباب سے کہہ دینا۔ کہ اگر خدمت گذاری اور فرمانبرداری رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کچھ قصور رہ گیا۔ تو خدا کے سامنے تم سے کچھ جواب نہ بن پڑے گا :-

اللہ اکبر۔ محبت بھی کیا ہی نشہ ہے۔ اور اخلاص میں بھی کیا ہی مزہ کہ زخمی ہو کر سانس توڑ رہے ہیں۔ اور شکر گزار ہیں۔ جان نثار کر رہے ہیں اور عذر خواہ ہیں :-

یک جان چہ متاعیست کہ سازیم فدایت ۔ اما چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است

سامعین آپ نے خیال فرمایا۔ کہ جو حسن ارادت۔ اور خلوص عقیدت ان لوگوں کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل تھا۔ اسے تلوار کی کاٹ۔ اور نیزہ کی بھال تیر کی پیکان

بھی کم نہیں کر سکے۔ وطن کی دوری۔ احباب کی جدائی۔ اقارب سے مہجوری۔ تنگ دستی۔ بیماری قوم کی مخالفت۔ ملک کی عداوت بھی ان کے استقلال و ثبات کو جنبش نہیں دے سکی:۔

خیر مخلصین صحابہ تو بلا واسطہ نور نبوت کے فیضان سے مستفیض تھے۔ ان کے احوال کو چھوڑ کر ادنیٰ مسلمان کے حال پر غور کرو۔ ۱۰ برس کی عمر سے لیکر مرتے دم تک ایک دن میں پانچ دفعہ عبادت کو اس پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنا کہ نہ موسموں کا تغیر۔ نہ عمر کا اقتضا۔ نہ سفر نہ بیماری۔ نہ جنگ کی آتش باری۔ غرض کوئی چیز بھی اُسے روک نہ سکے کیا خلوص کا کچھ کم نمونہ ہے۔ (نماز):۔

آئے سال اپنی آمدنی کا پورا چالیسواں حصہ بنی نوع کی دستگیری کے لئے مدت العمر تک نکالتے رہنا کیا کچھ کم نفس کشی ہے۔ (زکوٰۃ):۔

گرم سے گرم ملک۔ اور گرم سے گرم موسم میں ۱۸-۱۸ گھنٹہ تک روٹی پانی جملہ مقتضیات طبع کو چھوڑ کر پہلے کی بہ نسبت سہ چند چہار چند زیادہ عبادت میں لگاتار ایک ماہ تک مصروف رہنا کیا سچائی کا معیار نہیں ہے (روزہ):۔

ہزاروں کوس سے بحر و بر کو چیرتے۔ آفات ارضی و سماوی کو جھیلتے۔ پیادہ و سوار سفر کرتے ہوئے دربار الٰہی میں حاضری کے لیئے عرفات تک پہنچنا کیا جان و مال کا نثار کر دینا نہیں ہے۔ (حج):۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ جو لوگ بزور شمشیر مطیع کیئے جایا کرتے ہیں۔ اور مذہب جیسی پیاری چیز جن سے چھین لی جایا کرتی ہے۔ وہ لوگ اسی نمونہ کے ہؤا کرتے ہیں۔ اگر اس کا جواب نفی ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ جس تعلیم نے لوگوں کو اس نمونہ کا بنا لیا تھا۔ اور جس ایک واحد شخص (فداہ ابی و امی) کی آواز نے ایسی جماعتوں کے دل و جان پر اپنا تصرف کر لیا تھا۔ اُسے اپنے اس تجربہ شدہ طریق میں کب ناکامیابی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ اس آسان اور کامیاب طریق کو چھوڑ کر بزور شمشیر تعلیم پھیلانے کے لیئے اُٹھا تھا۔ اور جس کی وجہ سے اُسنے جنگ جیسی جان جوکھم چیز کو پسند کر لیا تھا۔ جہاں تک غور کرو گے اُسکا جواب سخت سے سخت مخالف کو بھی نہ ملے گا:۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ اسلام کی جس تعلیم کا بزور شمشیر پھیلایا جانا بیان کیا جاتا ہے کیا وہ تعلیم فطرت انسانی سے اس قدر مخالفت رکھتی ہے؟ کہ اگر تلوار ہاتھ میں نہ لیجاوے تو اس کی اشاعت نہیں ہو سکتی۔ کیا وہ تعلیم ایسی پیچیدہ اور فہم انسانی سے بالاتر ہے جس کے لئے دل و دماغ میں تلوار کی برق نما چمک کے بغیر جگہ نہیں مل سکتی۔ کیا وہ تعلیم ان مذاہب سے جن کی اشاعت محض وعظ و پند کے ذریعہ سے ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ایسی گھٹیل ہے جسکی اشاعت

ہر ایک مسلمان کا استقلال و استقامت۔

اسلامی تعلیم کا دیگر مذاہب کی تعلیم سے مقابلہ

کے لیئے حیوانی جوش سے کام لینا پڑا۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب مروجہ حال پر نظر ڈالو ہر ایک مذہب میں سب سے زیادہ اہم دو مسئلہ ہوتے ہیں

(۱) معرفت خداوندی:۔

(۲) نجات:۔

معرفت الٰہی اور نجات کے مسائل

ان ہر دو مسائل کو ہر ایک مذہب کے اندر تلاش کرو۔ اور موازنہ کرتے جاؤ۔ کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کا بیان بلحاظ وضاحت و دل نشینی اور باعتبار عمدگی و تاثیر کیا درجہ رکھتا ہے:۔

سب سے پہلے عیسائیت کو لو جو دنیا کے ہر شش بر اعظم پر پھیلی ہوئی ہے۔ معرفت خداوندی کے متعلق اس مذہب کی بنیاد تثلیث پر ہے۔ تثلیث کی جو شرح اتھاناسیس کے عقیدہ میں کی گئی ہے اُس کے چند فقرہ قابل غور ہیں۔ باپ ایک اقنوم۔ بیٹا ایک اقنوم۔ روح قدس ایک اقنوم۔ مگر باپ بیٹے اور روح قدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر۔ عظمت ازلی یکسان۔ جیسا باپ ہے۔ ویسا ہی بیٹا۔ دیسا ہی روح قدس:۔

عیسائیوں کا عقیدہ

باپ غیر مخلوق۔	بیٹا غیر مخلوق۔	روح قدس غیر مخلوق
باپ غیر محدود۔	بیٹا غیر محدود۔	روح قدس غیر محدود۔
باپ ازلی۔	بیٹا ازلی۔	روح قدس ازلی

تاہم تین خدا نہیں بلکہ ایک ازلی تین غیر محدود نہیں بلکہ ایک غیر محدود۔

یونہی۔ باپ قادر مطلق۔ بیٹا قادر مطلق۔ روح قدس قادر مطلق۔

ویسا ہی۔ باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ روح قدس خدا۔ اس پر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا:۔

نجات کی بنیاد کفارہ پر ہے۔ یعنے خدا کے عدل نے بندوں کو گناہ کی سزا دینا چاہا۔ اور خدا کے رحم نے ان کو چھوڑ دینا۔ اب اگر چھوڑتا ہے۔ تو عدل کے خلاف ہے۔ سزا دیتا ہے۔ تو رحم کے خلاف اس لیئے خدا کے اکلوتے بیٹے نے جامہ بشری پہنا۔ صلیب پر چڑھا۔ ملعون ہو کر تین روز جہنم میں رہا۔ اور سب گناہ گاروں کے گناہ اپنے سر لے لیئے:۔

سر مکنزی۔ ایم۔ اے۔ جو لارڈ کرزن کا پرائیویٹ سکرٹری تھا۔ تاریخ روس میں لکھتا ہے کہ تثلیث کا مسئلہ۔ فہم انسانی سے بالاتر ہے:۔

صاحبان۔ جب ایسا فاضل بھی اُسے فہم انسانی سے بالاتر بتاتا ہے۔ تو میں حیران ہوں۔ کہ عیسائیت کے دلدادہ اس مسئلہ کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا سمجھے بغیر کیونکر اس پر ایمان لے آتے ہیں:۔

کیا یہ یقین ہو سکتا ہے۔ کہ تثلیث کا عقیدہ اور کفارہ کا مسئلہ (جو عقل اور فطرت کے بھی برخلاف ہے۔ اور معتقدان تثلیث کے مروجہ قوانین اور روزانہ برتاؤ کے بھی برخلاف ہے) ایسا عام فہم و عام پسند ہو جائے جس کو بلا کسی خارجی وجوہ کے ہزاروں ماننے چلے جائیں اور اسلام کے سادہ و قابل فہم اصولوں کی اشاعت کے لیئے تلوار ہی کی ضرورت ہو؟ کیا عیسائیوں نے تلوار کا استعمال نہیں کیا؟ کیا اُس کی اشاعت اُسی فیاضی اور رحمدلی کے ساتھ ہوئی ہے؟ جس کی تعلیم مسیح علیہ السلام نے دی تھی؟ ہرگز نہیں:-

عیسائیوں پر عیسائیوں کے مظالم

عیسائی مورخین خود اقبال کرتے ہیں کہ رومن کیتھولک نے عدالت مقدسہ کے نام سے عدالتیں مقرر کر کے چودہ صدیوں تک غیر منقطع سلسلہ خونریزی کا قائم رکھا تھا۔ رہا فرقہ پروٹسٹنٹ جو پہلے فرقہ سے شائستہ تر ہے اسکی بابت مسٹر ہالم لکھتے ہیں کہ اس مذہب کے مختلف فرقوں سے سب سے بڑا گناہ جو سرزد ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بندگان خدا پر دین میں زور و زبردستی کرتے ہیں:-

آنریبل سید امیر علی صاحب جج تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب کالون نے سروٹیس کو صرف اس وجہ سے زندہ جلا دیا کہ اُس کے اعتقادات تثلیث کے بارہ میں جمہور علماء کے برخلاف تھے۔ تو سب پروٹسٹنٹ فرقوں نے کالون کے اس فعل کی بڑی تعریف کی تھی۔ اور تین مصنفوں نے اِس کی تعریف میں جداگانہ رسالہ لکھے تھے:-

انصاف اِس امر کا مقتضی ہے۔ کہ جس قوم میں ایسی شرمناک حرکات سرزد ہو چکی ہوں وہ دوسرے کو الزام نہ لگائے۔ بیشک مسلمان بادشاہوں کی بھی بعض ایسی نظیریں ملسکتی ہیں۔ جنہوں نے مخلوق خدا کو بیدردی کے ساتھ تہ تیغ کیا تھا۔ لیکن اُن کے فتوے کسی مقدس عدالت کے جاری کردہ نہ ہوتے تھے۔ اور اُن کے قتل عام میں کسی مذہب کی کچھ تخصیص نہ ہوتی تھی:-

اب بدھ مذہب کو لیجیئے۔ جو کثرتِ اشاعت میں مشہور ہے۔ معرفت خداوندی کے متعلق اس مذہب میں مجھے کوئی بات نظر نہیں آئی۔ بعض کا یہ قول کہ یہ مذہب ہستی خدا کا قائل نہیں شائد صحیح ہو:-

رہی نجات اس کا طریق حصول یہ بتایا گیا ہے۔ کہ حواس پنجگانہ اور ان کی محسوسات سے اپنے آپ کو بالاتر رکھو۔ ایسی بے کیف حالت کا ہی نام نجات ہے جسے زوال کہتے ہیں۔ اس کے حاصل ہونے پر انسان آواگون سے رہائی پاتا ہے:-

آپ خیال فرماویں۔ کہ وہی اصولوں کو جن کے الفاظ ٹھیک ایسے ہی بے معنے ہیں جیسے ان کی حالت نجات بے کیف ہے۔ ایسا عام فہم و دلچسپ تسلیم کیا جائے۔ جس کی اشاعت کے لئے تلوار کی ضرورت نہ ہو:۔

مگر اسلام کو اس کی حاجت ضرور پڑی ہو:۔

الفاظ میں نزاکت اور خیال میں لطافت پیدا کر لینا اور بات ہے۔ لیکن کسی مذہب اور دین کو بطور دستور العمل پیش کرنا اور بات ہے:۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ اول تو خود بدھ نے اپنے خیالات میں تین پلٹے کھائے۔ پھر اس کی آخر عمر میں اس کے چیلے دیودت نے اس کے سامنے پانچ ترمیمات اس کے احکام میں پیش کیں پھر اس کی وفات کے بعد اس کی مصنفہ کتاب پاتی موکہ میں کمی و بیشی کی گئی پھر ایک صدی کے بعد ایک اور جلسہ کیا گیا۔ اور جو احکام ناقابل التعمیل تھے ان کو نرم بنایا گیا۔ پھر تیسرا بڑا جلسہ راجہ اشوک نے کیا۔ اس میں جو اصول بالاتفاق منظور ہوئے۔ وہ پتھر کی سلوں اور میناروں پر کندہ کر دیئے گئے:۔

بدھ اور اس کی تمام شاخیں رحم دلی کم آزاری میں مشہور ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی حکومت کے ڈیڑھ ہزار سال میں ہندوؤں کی قوموں اور علموں کے نیست و نابود کرنے میں جو مسلسل اہتمام رکھا تھا۔ وہ پوشیدہ نہیں:۔

آریہ کے متعلق بھی ایک فقرہ سن لیجئے۔ یہ لوگ روح و مادہ اور پرمیشر کو انادی مانتے ہیں معرفت خداوندی کا حال اسی سے سمجھ لو۔ کہ خالق بمعنے صانع جانتے ہیں۔ رہی نجات ابدی۔ اسے کروڑوں جونوں میں منتقل ہونے کے بعد اعمال معدودہ کی نقدی دیکر خرید کرنا چاہتے ہیں اور وہ نجات بھی ایک محدود وقت کے لئے تسلیم کرتے ہیں۔ رہی خونریزی۔ خیال کرو۔ ہندوستان کی قدیم قومیں جو آریہ سے پہلے برسر عروج حکومت تھیں کدھر ہیں۔ ان بیچاروں سے نہ صرف حکومت ہی چھینی گئی بلکہ زمین کو باہمہ وسعت ان کے لئے تنگ بنایا گیا۔ اگر کسی قوم کا کچھ بقیہ رہ بھی گیا ہے۔ تو وہ اب خانہ بدوش ہیں۔ اور اس قدر ناپاک سمجھے جاتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے کپڑے تک کو نہیں چھو سکتے ہیں ان بیچاروں کا نام ہمیشہ کے لئے شودر یا چنڈال رکھا گیا ہے۔ اور ملک ہندوستان میں دس کروڑ شخص ایسی ہی ناپاک زندگی بسر کر رہے ہیں:

اب آپ اسلام کی طرف آئیے۔ تعلیم کی سادگی کا تو یہ حال ہے۔ کہ تمام دین دو طرح ایک مختصر جملہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ جہاں اسی نے سچے دل سے اتنے الفاظ پڑھے۔ فوراً اللہ تعالےٰ کے ازلی میثاق (لا انفصام لھا)[1] میں داخل اور صادقین کے زمرہ میں شامل ہو گیا:۔

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو بالغ ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اتنی بات کو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اُس کے رسول ہیں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور اپنی سمجھ پر نجات اُخروی اور فوز عظیم حاصل کر سکتا ہے:۔

واضح ہو۔ کہ فقرہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ معرفت ثبوتیہ و سلبیہ کے لیئے کلمہ جامعہ ہے۔ سلبیہ معاصی کے ہٹا دینے کے لیئے اور ثبوتیہ سکینہ کو قائم اور جبر کو متمثل کر دینے کے واسطے مفید ہے:۔

یہی کلمہ ہے جو شرک جلی کو دور کر دیتا۔ اور شرک خفی کو اوکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور یہی کلمہ ہے۔ جو ان تمام حجابوں کو کہ معرفت خداوندی تک پہنچنے میں بندہ کے سامنے پڑے ہوئے ہیں اٹھا دیتا ہے:۔

کلمہ محمد رسول اللہ اس علاقہ رحمت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو رحمٰن کو اپنے بندوں سے ہے۔ نیز اُس سبب عظمیٰ کی یاد دلاتا ہے۔ جو ظلمت میں گرے ہوئے عالم کو نور میں لانے والا ہے:۔

یہی کلمہ توحید کی بنیاد کو بھی مستحکم کرتا ہے۔ اور رسول کو ثالث ثلثہ یا جزو اللہ یقین کرنے سے روکتا ہے۔ معافیٔ صغائر و کبائر کا ذریعہ توبہ ہے۔ اور نجات کا مدار اُس مالک کی رحمت ہے جو اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے۔ کہ ماں اپنے بچہ پر۔ اُس سے سونواں حصہ بھی نہیں۔ اعمال صالحہ بندہ کے لیئے نور و قرب کے ازدیاد اور رحمت الٰہیہ کے شایاں بنا دینے والے ہیں:۔

انہیں مختصر جملوں پر غور کرو۔ کہ نہ تو اعمال کو حصول نجات میں وہ درجہ دیا گیا ہے کہ رحمت الٰہی کی بھی بندہ کو پروا نہ رہے اور نہ فضل و رحم کے ایسے معنے بتلائے گئے ہیں۔ کہ شریعت کو لفظ لعنت سے تعبیر کرنا پڑے[2]:۔

معرفت خداوندی کے بارہ میں اسلام براہ راست فطرت سے خطاب کرتا ہے۔ اور محبت و طمانیت سے ملی ہوئی تعظیم کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے جلال کی تجلی دکھلاتا ہے۔ اور سوء معرفت یا حجاب طبیعت کو فطرت سلیمہ کے چہرہ سے ہٹا کر باطن کو محبت و انبساط کی بھری ہوئی حالت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور نجات کے لیئے پہلے تو اعمال صالحہ اور مصالح عالیہ کے لیئے برانگیختہ کرتا اور پھر پورے ذوق و وجدان کے ساتھ رحمت ربانی کے سامنے بندہ فانی کو خاشع و خاضع بنا دیتا ہے:۔

[1] ایسا عہد جو کبھی نہیں ٹوٹیگا۔ [2] پولوس نے اپنے خطوط میں جیسے عیسائی لوگ انجیل کے ساتھ شامل کیا کرتے ہیں شریعت کو لعنت بتلایا ہے۔

رہی اس کی عمدگی وقوت تاثیر وہ اُس ملک پر نظر ڈالنے سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے جہاں اس کی ایک حصّہ پر اسلام نے اور دوسرے حصّہ پر کسی اور مذہب نے اثر ڈالا ہو۔ مثلاً فی زمانہ افریقہ ایسا ہی ایک برِ اعظم ہے۔ عیسائی سیاحوں نے دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا بالتفصیل گذارش کرنا دشوار ہے۔ مگر میں صرف ایک پادری کے ایک فقرہ پر ہی اختصار کروں گا:۔

جب اسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول کیا ہے۔ تو بت پرستی۔ مخلوق پرستی۔ جنات پرستی مردم خوری۔ انسانی قربانی۔ اولاد کشی۔ جادوگری۔ فوراً دور ہو جاتی ہے۔ باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔ نجاست کی جگہہ صفائی سیکھ لیتے ہیں۔ شرافت ذاتی اور خودداری حاصل کر لیتے ہیں۔ مہمان نوازی فرض مذہبی ہو جاتا ہے۔ شراب خواری بہت کم رہ جاتی ہے۔ جوا متروک ہو جاتا ہے بے حیائی کے ناچ اور مرد و عورت کے ناجائز میل جول بند ہو جاتے ہیں۔ عفت کو نیک خصلت خیال کیا جاتا ہے۔ کاہلی کی جگہہ محنت حاصل کر لیتی ہے۔ ذاتی اختیار کی جگہہ قانون دخل کر لیتا ہے۔ انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے۔ خاندانی خصومتوں۔ اور مویشی و غلاموں پر بے رحمی کی ممانعت ہو جاتی ہے:۔

انسانیت اور مہربانی۔ اور مساوات کا خیال سکھلایا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج۔ اور بندگی کی ترتیب ٹھیک طور سے دیکر ان کی برائیاں کم کیجاتی ہیں:۔

بمقابلہ اُس کے یورپ کی ترقی سے گویا شراب اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس قوم کا تنزل مراد ہوتا ہے[1]۔

فقرہ مذکورہ بالا اپنی صداقت و بلاغت کے اعتبار سے ایک جامع مانع فقرہ ہے اور اس کے ثبوت میں تاریخ کے صفحات اور مختلف ممالک میں اسلامی ترقی کے حالات پیش کیئے جا سکتے ہیں۔ پس کیا صحیح طور پر یہ مقولہ کسی طرح بھی درست ہو سکتا ہے:۔

کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔

اب اگر کوئی شخص پوچھے کہ جب اسلام اپنی اشاعت کے واسطے کسی زور یا طاقت کا محتاج نہیں اور ابتدا ہی سے اس کے پیرو محض صداقت اور حق طلبی کی وجہ سے اُسکے گرویدہ ہوتے رہے ہیں۔ تو کیا اسلام نے کبھی بھی تلوار کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا؟

میں کہتا ہوں اسلام نے بیشک تلوار کو ہاتھ میں لیا ہے۔ مگر کیوں اور کس کے مقابلہ میں اس کا جواب خود قرآن مجید سے ملتا ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

[1] پادری ایزک ٹیلر کی ...

وَصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔ اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک کا دوسرے سے تو ضرور ڈھائی جاتیں عیسائی درویشوں کی خانقاہیں۔ اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانہ اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی جہاد کا مدعا مسجدوں اور گرجاؤں اور یہودیوں کے عبادت گاہوں زاہدوں اور عابدوں کی خانقاہوں کو بربادی سے محفوظ رکھنا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

کہ ایک ایسا امن قائم کر دینا جسکی وجہ سے جملہ مذاہب کامل آزادی کے ساتھ دنیا میں رہ سکیں۔

ایسے مدعا پر جسکی مشترکہ غرض جملہ مذاہب کو یکسان فائدہ پہنچانا اور سب کی حفاظت رکھنا ہے: کون شخص دھبہ لگا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے ہم کو اب تک اس عیسائی یا بدھ یا بت پرست۔ یا یہودی کا نام معلوم نہیں ہوا جس کے جنگ کرنے کا مقصد مسلمانوں کی مساجد یا اپنے سے غیر مذہب کے معابد کی حفاظت کرنا تھا:۔

لڑائی کی دوسری ضرورت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَہُمْ وَہَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَہُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ کیا تم اُس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسم اور اقرار کو توڑ دیا ہے۔ اور رسول کو (مدینہ سے) نکال دینے کا قصد کر لیا ہے۔ اور (اس بارہ میں) ابتدا بھی ان ہی کی طرف سے ہوئی ہے:۔

ایسے جنگ کے لیئے حد بھی خود ہی اللہ تعالےٰ نے مقرر فرما دی ہے۔ فرمایا وَقَاتِلُوْہُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ۔ ان سے اُس وقت تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے:۔

اس حد پر بھی جس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف رفع فتنہ کے لیئے تھا یہ بھی ارشاد فرمایا۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَہَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔ اگر وہ صلح کی طرف راغب ہوں تو آپ بھی صلح کی جانب جھک جاویں اور (اُنکی آیندہ کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کی کچھ پرواہ نہ کر کے) خدا تعالیٰ پر بھروسہ کریں:۔

امن کے توڑ دینے والوں۔ سازشوں اور فتنوں کے پھیلانے والوں رعایا ہو کر غدر کرنے والوں کے مقابلہ میں ایسے احتیاطی احکام کے ساتھ جنگ کا حکم جس مقدس مذہب نے دیا اسلام کے سوا دنیا ہوں کی نظیر پیش ہونی چاہیئے:۔

معترض کے لیئے اب صرف ایک گنجایش باقی رہ گئی ہے وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک زمانہ میں لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان نہیں کیا گیا تو خلفاء راشدین

خلفائے راشدین کے عہد کا عمل ہے۔

کے وقت میں تو ضرور ہتھیاروں کے زور سے اسلام کی اشاعت کی گئی ہے:۔

میں اسکے متعلق بھی کچھ گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ خلفائے راشدین نے اگر تلوار کھینچی بھی ہے۔ تو کسرےٰ (شہنشاہ ایران) کے مُنہ پر جسکی شہنشاہیت مشرقی دنیا پر چار ہزار برس سے مسلمہ تھی۔ یا قیصر شہنشاہ قسطنطنیہ کے سر پر جو نصف مغربی دنیا کو اپنا باج گذار رکھتا تھا۔ ایسے ودل عظام کی رگڑا باقاعدہ فوجوں کے مقابلہ میں بے سروسامان عرب کا تلوار اٹھانا صرف تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول ہی پر ہو سکتا ہے:۔

پھر خیال کرو کہ خلفائے راشدین کن لوگوں کو شمشیر زنی کے لیئے بھیج سکتے تھے۔ کیا انہی شخصوں کو جنہوں نے قرآن کی تعلیم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہدایت کو اپنا ایمان سمجھا تھا۔ اور جو دیکھ چکے تھے۔ کہ بزور شمشیر اسلام قبلوانا خود تعلیم اسلام ہی کے خلاف ہے:۔

یہ ناممکن ہے۔ کہ قرآن پر ایمان لانے والے قرآن مجید میں :۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔	دین کے بارہ میں کسی پر کوئی سختی جائز نہیں :۔

بھی پڑھتے ہوں۔ اور پھر بھی اشاعت دین کے لیئے۔ اکراہ وجبر کے طریق کو پسند کرتے ہوں:۔

مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۔	اے محمدؐ۔ تو ان پر جبر نہیں کر سکتا۔ قرآن کا وعظ سناؤ جس نے عذاب الٰہی سے خوف کھانا ہے۔ وہ خوف کھائیگا:۔

کی تلاوت بھی کرتے ہوں۔ اور باینہمہ جبر و تشدد بھی دین کے لیئے روا رکھتے ہوں:۔

میری یہ دلیل صرف قیاسی ہی نہیں۔ اور قرآن مجید کا یہ حکم صرف تلاوت کے وقت پڑھنے ہی کے لیئے نہیں۔ بلکہ خلفائے راشدین نے اپنے مفتوحہ ممالک میں اسی کے موافق عمل بھی کر دکھایا تھا:۔

فاتح سرداروں میں سب سے زیادہ مشہور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جن کا لقب بھی سیف اللہ ہے۔ اور جن کے نام نے عراق و شام میں زلزلہ ڈالدیا تھا۔ انکے عہدنامہ کے یہ الفاظ ہیں:۔

هذا الكتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن لنطوما وقومه اني عاهدتكم على الجزية والمنعة فلكم الذمة والمنعة ما منعنا فلنا الجزية والا فلا ۔	یہ تحریر خالد بن ولید کی صلوبا بن نطوما اور اُس کی قوم کے لیئے ہے۔ میں نے تم سے جزیہ پر معاہدہ کیا ہے۔ ہم مسلمانوں پر تمہاری ذمہ واری اور حفاظت ضروری ہے۔ اور جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو تم سے خراج کا حق ہے۔ ورنہ نہیں:۔

خیال کرو۔ کہ کیوں کر مفتوح قوموں کی محافظت کا بار اپنے ذمہ لینے۔ اور ان کی جان و

مال و مذہب کی نگرانی کو اپنے فرائض میں شامل کرتے تھے :-

اس میں کچھ شک نہیں کہ خلفاء راشدین کے زمانہ مبارک میں مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہونچ گئی تھی اور دنیا کے بڑے بڑے آباد حصوں میں توحید کی منادی جاری ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا سبب تلوار ہرگز نہ تھی :-

مشہور مورخ ایڈرورڈ گبن لکھتا ہے "افریقہ اور ایشیا کے لاکھوں کھا نو مسلم جنہوں نے عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھادی اور اسکے رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے۔ یہ نہیں کہ اُن پر کچھ دباؤ تھا۔ بلکہ کلمہ پڑھنے یا ختنہ ہو جانے سے رعیت یا غلام قیدی یا اسیر ایک لمحہ میں اپنے فتحیاب مسلمان کا ہمسر و آزاد بن گیا۔ ہر ایک گناہ دور ہوا۔ بیاہ نہ کرنے کا عہد فطری عنایت سے جاتا رہا۔ قوائے شہوانی (جو تجرد و رہبانیت کی وجہ سے) صومعوں میں پڑے سوتی تھیں۔ اہل حجاز کے ڈھول سے چونک پڑیں۔ اور معاملات دنیا میں نئے مجمع کا ہر ایک شخص اپنی لیاقت اور حوصلہ کے موافق اصل سرشت پر پہونچ گیا :-

دیکھو اس شہادت سے کیسے صاف و صریح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلامی ترقی کی وجوہ مندرجہ ذیل تھے۔

(١) اسلام فاتح و مفتوح سپہ سالار و غلام۔ رعیت و حاکم کے حقوق کو مساوی کر دیتا ہے :-

(٢) اسلام اُس تعلیم کی جس میں فطرت انسانی کے برخلاف احکام دیئے جاکر انسانی قوتوں کو معذور کر دیا گیا تھا۔ اصلاح کرتا ہے۔ اس لیئے اسلام کی طرف آنے میں فطرت نے لوگوں کو اُکسایا :-

(٣) اسلام میں تمدن اور آزادی اس قدر ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنی قابلیت کے موافق اس میں ترقی کر سکتا ہے۔ اس لیئے لوگوں نے اُس کو بدل و جان پسند کیا :-

شاید معترض خلفاء راشدین کے مبارک زمانہ کو چھوڑ کر بعد کے زمانہ پر اپنا اعتراض قائم کر سکتا ہے :-

اگرچہ مسلمان بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مذہب اپنے کسی فرد شخص کے (جس کو مذہب میں کوئی روحانی درجہ حاصل نہ ہو) افعال و اعمال کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ اور کسی نامعقول کے بیہودہ حرکات کا جوابدہ اس کا شائستہ مذہب نہیں ٹھہر سکتا"۔ لیکن سامعین یہ جواب گو معترض کی زبان کو بند کر سکے لیکن اس کی دلی شبہات کو رفع نہیں کر سکتا :-

جہانتک مجھے تواریخ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ کسی مسلمان بادشاہ نے بھی خواہ وہ اپنی جابرانہ طبیعت یا سفیہانہ مزاج سے کیسے ہی خونریزی کیوں نہ کرتا رہا ہو۔ کبھی اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے

پادشاہانِ اسلام کے منصفانہ

کی کوشش نہیں کی:-

ہندوستان میں عوام کی زبان پر اورنگ زیب عالمگیر کی نسبت اس قسم کی روایات بہت مشہور ہیں مگر پروفیسر آرنولڈ لکھتے ہیں۔ کہ عہد اورنگ زیب عالمگیر کی تواریخ میں۔ بجبر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں۔ آرنولڈ کی شہادت کے بعد یہ بھی گوش گذاری کے قابل ہے کہ اب تک دہلی کے گردنواح میں مسلمان آبادی کل آبادی کا چھٹا حصہ ⅙ - اور آگرہ کے گردنواح میں چوتھا حصہ ¼ ہے - یہ غور کے قابل ہے۔ کہ اگر ہندوستان میں کہیں بجبر مسلمان کیئے جانے پر عمل درآمد ہُوا ہوتا۔ تو خاص دارالسلطنت اور مستقر الخلافت کے گردنواح میں دیگر اقوام کی یہ کثرت اور مسلمانوں کی یہ قلت کبھی نہ پائی جاتی:-

معترض شائد کوئی ایسی مثال پیش کر سکے کہ ایک ایسے شخص کو جو قانونی طور پر واجب القتل تھا۔ اسلام لانے کے وعدہ پر کسی بادشاہ نے چھوڑ دینے کا اظہار کیا ہو:-

معترض کہہ سکتا ہے کہ بادشاہ کو ایسی بات مُنہ سے نہیں نکالنی چاہیئے تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کا واجب القتل ہونا اُس کے غیر مسلم ہونے نے نہیں بلکہ قانون نے قرار دیا تھا۔ اور اسلام رحم شاہی کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ معہذا اس ذریعہ سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا خود اس شخص کی دل و طبیعت پر منحصر تھا۔ اب کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایک واجب القتل کی جان بری کے لیئے کیوں کوئی سبیل نکالدی تھی۔ خیر اس پر بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی مثالیں بہت شاذ اور بالکل ہی کم ہیں۔ اور میرے نزدیک تو صحیح طور پر اُن کا ثابت کرنا بھی دشوار ہے:-

معترض کو جو اپنے اعتراض پر قائم ہے ہم تاریخ کے دوسرے چمن کی سیر کراتے ہیں:-

مغول تاتاریوں کا اسلام لانا۔

مغول تاتاریہ کے اسلام لانے کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو مسلمانوں کی قوم اور سلطنت اور اسلام کی علمی ترقی و فضیلت کا ستیا ناس کر دینے والا سیلاب مغول کا حملہ تھا۔ جنہوں نے تبت خورد سے بیکر ہرقین کے انتہائی سرحد تک نہ صرف خونریزی اور قتل عام ہی کا بالعموم وتیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ بلکہ بوجہ اس سخت نفرت اور عداوت کے جو اسلام کے ساتھ اُن کو تھی۔ علوم اسلام کے ناپید کر دینے کا بھی نہایت سختی سے اہتمام کیا تھا:-

یہ ایک مشہور روایت ہے۔ کہ جس روز بغداد پر مغل کا قبضہ ہُوا۔ اس روز دریائے دجلہ میں اتنے کتب خانہ پھینکے گئے۔ کہ تین روز تک دریا کا پانی قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ رہا۔

آہ وہ کیسا قیامت خیز نظارہ ہوگا۔جب بغداد کے گلی کوچہ میں لہو کے نالے بہ رہے ہونگے۔اور دریا کے پانی نے علمی ماتم میں سیاہ لباس پہن رکھا ہوگا:-

غرض مغول ایسی عداوت اور نفرت کے ساتھ اسلامی ممالک میں داخل ہوئے۔گویا قسم کھا کر آئے تھے۔کہ مسلمانوں کا نشان اور اسلام کا نام صفحۂ ارض پر باقی نہ چھوڑیں گے۔لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد کیا دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسی جبروت وسطوت کا بادشاہ اور ایسی خونریز قوم خودبخود مسلمان ہوجاتی اور مفتوح کا دین فاتحین کے دل و دماغ پر اپنا تسلط قائم کرلیتا ہے اور گردن کش قوم مسجد کی سفید زمین پر مالک کے آگے ناک اور پیشانی کو خاک پر رکھ دیتی ہے اور خادم اسلام کے لقب کو خاقان ابن خاقان کے لقب سے بڑھ کر اپنے لیئے سبب افتخار جانتی ہے:-

مغول کا مسلمان ہوجانا صرف اس ہی امر کی شہادت نہیں ہے کہ اسلام ہمیشہ تلوار پر غالب آیا ہے۔بلکہ اس امر کی بھی شہادت ہے کہ اسلام میں سب سے بڑھکر تسخیر قلوب کی تاثیر موجود ہے توضیح اُس کی یہ ہے کہ مغول کا قومی اور اصلی مذہب شامانی تھا جس کو بودھ کی ایک شاخ سمجھنا چاہیئے۔چونکہ تمام چین اور چینی تاتار و تبت میں بودھ کے مذہب کو بڑی وسعت حاصل تھی اس لیئے مغول پر بھی علماء بودھ کا بہت بڑا اقتدار تھا۔اس اقتدار کا یہ ادنےٰ درجہ تھا۔کہ کوئی شخص ان کے عقائد کے خلاف لب کشائی نہ کیا کرتا یا نہ کرسکتا تھا۔بدھ مذہب کے ساتھ ہی عیسائیت بھی اپنے جھنڈے گاڑ چکی تھی پوپ کی مغول بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت جاری تھی۔ملک بھر میں عیسائی عورتیں مغلوں کے گھروں کو سنبھالے اور عیسائی مرد ملکی عہدوں پر قبضہ کرنے کے لیئے بکثرت موجود تھے:-

ہلاکو خاں کی چاہتی بیوی عیسائی تھی۔اور گلبرگ خاقان کے دو معتمد وزیر عیسائی تھے۔ اباقاآن کی شادی قسطنطنیہ کی عیسائی شاہزادی سے ہوئی تھی۔گویا ایسی مسلسل النسق سے اندر و باہر عیسائیت اپنا قبضہ کیئے ہوئے تھے اس خاندان میں سب سے پہلے خاقان تکودار مسلمان ہوا جو ہلاکو خاں کا بھائی تھا اور بچپن میں عیسائیت کا اصطباغ (بپتسمہ) بھی پاچکا تھا:-

پھر سلطان غازان مسلمان ہوا۔جو خاندان ایل خانیہ میں سب سے زیادہ بارعب اور پرسطوت بادشاہ تھا:-

پھر اس کا بھائی سلطان محمد خدابندہ مسلمان ہوا۔جسنے بپتسمہ بھی پایا تھا۔اور اُس کا عیسائی نام نکولس رکھا گیا تھا۔مغول کی دوسری شاخ میں چنگیز خاں کا پڑپوتا براق خاں مسلمان ہوا۔

اور پھر تغلق تیمور خاں کے مسلمان ہو جانے پر کل علاقہ ہی اسلام میں داخل ہو گیا :-

کیا معترض اب تک اپنے ہٹ پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ تو ہم اُسے بیت المقدس کے کروسیڈ یاد دلاتے ہیں جس میں یورپ بھر کے پُرجوش اور دیندار امرا صلیبی نشان کے نیچے مجتمع ہو گئے تھے جو مسلمان کے حق میں کافر کے سوا اور کوئی لفظ استعمال کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ جب انکو مسلمانوں کے اخلاق و عادات پر غور کرنے کا موقعہ ملا۔ اور ملک کے اندرونی حصوں میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں کے معاشرت اور معاد کے طریق کو سمجھنے کا اتفاق ہوا۔ تو اکثر نائٹ اور مجاہدین مسلمان ہو گئے تھے۔ ان نومسلمانوں میں نہ صرف فوجی یا خاندانی امیر ہی ہوتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات قوم کے ہادی نامی گرامی پادری بھی :-

اس سے بڑھکر اسلام کا معجزہ کیا ہوگا۔ کہ جو شخص تلوار کھینچکر اس کے سامنے آیا وہی بندہ حلقہ بگوش ہو گیا :-

میں ایک اور نئی مثال پیش کرتا ہوں۔ ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد پر رہنے والی قوموں کے حال پر نظر ڈالو جو قریبًا نصف صدی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے زیر اثر ہیں جو سالہا سال سے گورنمنٹ کی نمک خوار اور سرکاری فیاضیوں اور احسانات سے زیر بار ہیں جن کے رسم و رواج یا اندرونی جھگڑوں میں دولت عالیہ کبھی دخیل نہیں ہوتی اور جن کی شائستگی اور تہذیب میں لانے کے وسایل موجود کرنے کے لیئے کبھی کوتاہی نہیں کی جاتی۔ تاہم وہ ایک ذرا سی بات پر کیونکر بھڑک اٹھتے ہیں اور اپنی ہلاکت و تباہی کی ذرا بھی پرواہ نہ کر کے کس طرح پر جھگڑوں کو مول لے بیٹھتے ہیں :-

میں پوچھتا ہوں۔ کہ ایسی قوم سے مذہب جیسی چیز کوئی شخص بزور شمشیر چھڑا سکتا ہے ؟

کیا آپ شمشیر ایسی قوم کے دینی حرارت کو بجھا سکتا ہے ؟ اگر اس کا جواب نفی ہے۔ اور میں یقینًا جانتا ہوں کہ نفی ہے۔ تو بتلاؤ کہ کس چیز نے ان کو مسلمان بنایا تھا۔ کیا ان کا مسلمان ہو جانا۔ اسلام کا معجزہ نہیں ہے کیا ان لوگوں کا پہلے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کا خوش خوش مطیع و منقاد ہو جانا معترض کے بزور شمشیر کا کافی جواب نہیں ہے :-

ہمارے دوست اگر سرحد تک اپنے خیال کو وسعت دینا پسند نہیں کرتے۔ تو وسط ہند میں آئیں اور راجپوتانہ کے اندر معتدبہ راجپوتوں کا مسلمان ہو جانا ملاحظہ کریں :-

مغرور اور غیور راجپوتوں کی رسم جوہر کا حال شاید آپ کو معلوم ہوگا۔ ورنہ دو فقروں میں

اس کی توضیح کر دیتا ہوں۔ جب کسی راجپوت قوم کو یہ یقین ہو جاتا۔ کہ دشمن کے پنجہ سے رہائی محال ہے۔ تو وہ اس وقت بیچارگی کے ساتھ اسیری کو اپنے لیے پسند نہ کرتے۔ بلکہ آنے والی موت کو مردانہ موت کے ساتھ بدل دیتے۔ یعنے کل مال ومتاع کو آگ لگا کر زن وبچہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے پھر ایک دوسرے کی تلوار سے ڈھیر ہو جاتے۔ اور اس طرح پر دشمن کے منصوبہ اور اپنی آرزو کو خاکستر بنا کر نام کر جاتے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں بھی دو ایک واقعات ایسے ہوئے ہیں۔ کہیں ایک عورت کے دینے نہ دینے پر کہیں کسی قلعہ کے سپرد کرنے یا نہ کرنے پر۔ لیکن کوئی بھی ایسا ایک واقعہ موجود نہیں ہے۔ کہ دھرم کے بچاؤ کے واسطے۔ جوہر کی نوبت آئی ہو یہ بالکل محال ہے۔ کہ اگر ایسی قوم کے لیے تمام راہیں بجز اسلام یا موت کے بند کر دی جاتیں۔ اور وہ اپنی غیرت وحمیت سے کام لیکر (جس کا نمونہ ادنے ادنے باتوں پر دیکھا جاتا تھا) جوہر کے جوہر نہ دکھلاتے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اگر کسی نے ایسا کیا ہوتا۔ تو یہ سانحہ گیت اور داستان بن کر ملک میں اور ایک تاریخی واقعہ بن کر ہسٹریوں میں جگہ نہ پاتا:۔

غرض اس رسم سے راجپوت قوم کی غیرت وحمیت کا اندازہ کرو۔ اور پھر اس لاکھوں کی تعداد پر جو مسلمان راجپوتوں کی ہے نظر ڈالو۔ اور بتلاؤ۔ کہ اگر یہ لوگ خوشی خوشی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ تو کیونکر بزور شمشیر ان سے اسلام قبلوایا جا سکتا تھا:۔

یہ نظائر ایسے صاف اور روشن ہیں۔ کہ خواہ کیسا ہی ہٹیلا شخص ہو مگر اس کو ہمارا دعوے تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر بدقسمتی سے کوئی شخص حد درجہ کی لاثانی ضد اپنی طبیعت میں رکھتا ہے۔ اور ان سب تاریخی واقعات پر بھی اس لیے یقین کرنا نہیں چاہتا۔ کہ ماضی بعید کا پردہ ان پر گرا ہوا ہے۔ یا یہ کہ شیر اور آدمی کے تصویر کی پھبتی ایسی تاریخوں پر چسپاں ہوتی ہے تو ہم اُس کے لیے قریب ترین زمانہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ علیا ملکہ وکٹوریہ کے روشن زمانہ کی توصیف کرنا خصوصاً اس زمانہ کی کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کا تعلق براہ راست شہنشاہی سے ہو گیا۔ بعینہ آفتاب کے سامنے چراغ جلانا ہے:۔

تاج برطانیہ کے سایہ میں مسلمانوں کی ترقی

کسی قوم کو کسی قوم پر۔ اور کسی فرد کو کسی فرد پر۔ مذہب کے لیے تو کیا۔ ایک پیسہ کے لیے بھی جبر کرنے کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ بلکہ کل ملک کو آزادی فی المذاہب کے عطا فرمانے سے ہر ایک کے لیے اپنے اپنے مذہب کو کامل وسیع بنانے اور ترقی دینے کا پورا پورا حوصلہ دلایا گیا ہے:۔

یہ ایک امر بین ہے کہ اگر اسلامی ترقی کا ذریعہ صرف تلوار تھی تو اس روشن اور پر انصاف زمانہ میں ضرور اس ترقی کو ملیا میٹ ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن آپ تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر مردم شماری کے نقشہ جات پر ایک گہری نظر ڈالیں۔ اور تناسب کا اندازہ کریں ۱۸۹۱ء کی مردم شماری بنگال سے بخوبی واضح ہے۔ کہ وہاں بحساب اوسط ہر دس ہزار پیچھے ۱۰۵ لوگ غیر اقوام سے مسلمان ہوتے رہے ہیں۔ اور اس حساب سے اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ساڑھے چھ سو برس میں کل بنگال میں ایک شخص بھی سوا اسلام کے دوسرے مذہب کا نہ رہے گا۔ ۱۸۷۱ء میں مسلمانان بنگال کی تعداد دیگر اقوام سے پانچ لاکھ کم تھی۔ لیکن ۱۸۹۱ء میں انکی تعداد اس کمی کو پورا کرنے کے بعد پندرہ لاکھ اور ایزاد ہو گئی۔ گویا ایک لاکھ سالانہ کی بیشی ہوتی رہی۔ پادری ٹیلر صاحب نے تحریر کیا ہے۔ کہ ۱۸۷۱ء و ۱۸۸۱ء کے درمیانی دس برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے لاکھ چالیس ہزار کے ہے یعنے اگر اُس قدرتی بیشی کو جو معمولاً پیدائش کی زیادتی سے ہوتی ہے ۲۵ فیصدی کے حساب سے محسوب نہ کریں تب بھی غیر اقوام کے مسلمان ہونے کی تعداد قریب چھ لاکھ سالانہ کے ہوتی ہے :۔

اللہ اکبر

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔	جب خدا کی مدد اور فتح پہنچے۔ اور تو لوگوں کو دین الٰہی میں فوج در فوج ہوتا دیکھ لے :۔

کی زبردست پیشگوئی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ کے سایہ تلے صرف ایک ملک ہندوستان میں نو مسلم لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سالانہ بڑھتی رہی ہے :

میں اس صحیح حساب پر ایک اور خیال پیدا کرتا ہوں۔ ہندوستان میں سب سے پہلا اسلامی بادشاہ قطب الدین ایبک تھا جو ۱۲۰۳ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ فرض کرو ۱۲۰۳ء سے ۱۸۷۱ء تک (کیونکہ ۱۸۷۱ء میں مردم شماری ہو چکی ہے) صرف دس ہزار سالانہ نو مسلم سال بہ سال شامل ہوتے رہے ہیں۔ اور فی ہزار بیس اُن میں نسل کی افزونی ہوتی رہی ہے۔ تو ۶۶۳ سال میں اُن کی مجموعی تعداد پانچ کروڑ چھ لاکھ چون ہزار تین سو ہونی چاہیئے تھی۔ حالانکہ ۱۸۷۱ء میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰۸۸۲۵۳۷ چار کروڑ آٹھ لاکھ بیاسی ہزار پانچ سو سینتیس تھی :۔

اب یہ بھی خیال کرو۔ کہ عرب و ایران وغیرہ دیگر ممالک سے آکر ہندوستان میں آباد ہونے والی مسلمان قوموں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ اُس تعداد اور اُن کی افزونی نسل کا جو ساڑھے چھ صدیوں میں ہونی چاہیئے۔ بھی اندازہ لگاؤ:۔

نومسلم لوگوں کی جو تعداد یعنے دس ہزار سالانہ ہم نے فرض کی ہے۔ وہ ۱۸۷۱ء و ۱۸۸۱ء کی اوسط دہ سالہ کا ساٹھواں حصہ ہے۔ اور افزونی نسل بھی نہایت ہی کم یعنے دو فی صدی رکھی گئی ہے:۔

اگر ہم اسلامی ممالک سے آنے والے مسلم اقوام کی تعداد کو پانچہزار سالانہ کے حساب سے فرض کر لیں اور نومسلموں کی مفروضہ بالا تعداد کو گھٹا کر نصف یعنے پانچہزار ہی رہنے دیں۔ تب بھی یہی ثابت ہوگا۔ کہ ایبک کے وقت سے ۱۸۷۱ء تک گورنمنٹ کی اوسط دہ سالہ کے مقابلہ میں ایک سو بیسویں حصہ سے بھی کم ہندوستان میں مسلمان ہوتے رہے ہیں۔ جس سے نہایت روشن طریق پر واضح ہوگیا۔ کہ جبر و تشدد کے ساتھ بکثرت مسلمان کرتے رہنے کا تو کیا ذکر ہے۔ بلکہ جس قدر گورنمنٹ برطانیہ کے پر عاطفت زمانہ میں ایک سال کے اندر نومسلم ہوئے ہیں۔ اس قدر مسلمانوں کی بادشاہی میں ایک سو بیس سال کے اندر ہوا کرتے تھے:۔

اس حساب کے ساتھ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم نے ہندوستان میں نومسلم اور نووارد مسلمانوں کی تعداد کو صرف بارھویں صدی عیسوی یعنے ۱۱۰۳ء سے شروع کیا ہے۔ حالانکہ تواریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد میں اسلام ساتویں صدی اور جنوبی ہند میں آٹھویں صدی۔ اور مغربی ہند میں نویں صدی عیسوی میں داخل ہوا تھا بدیں صورت مفروضہ تعداد پانچہزار کو بھی گھٹا کر چار ہزار رکھنا چاہیئے:۔

ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کی ترقی میں گزشتہ صدیوں کے اندر اس قدر رکاوٹ اور سُست رفتار کا ہونا بیشک ہر ایک اہل ایمان کے لیئے قابل افسوس اور باعث رنج ہوگا لیکن اس سُست اور نہایت دھیمی رفتار پر یہ کہنا۔ کہ ہندوستان میں بھی بزور شمشیر اسلام پھیلایا گیا ہے۔ کس قدر لغو بن جاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ کہ بے اصل باتوں کو بڑی آب و تاب کے ساتھ فروغ دیا جا سکتا ہو:۔

میں اس جگہ ایک اور حکایت بھی سُنانا چاہتا ہوں۔ ایک سبھا میں ایک لائق لیکچرار نے

اورنگ زیب کے مظالم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اورنگ زیب سوا من جنیؤ روز تڑوایا کرتا تھا۔ یعنے ایک دن میں اتنے ہندو جبرًا مسلمان کیئے جاتے تھے۔ جن کے زناروں کا وزن سوا من ہوتا تھا:۔

اے صاحبان ہم اگر ایک زنار کا بالاوسط وزن ایک تولہ[1] فرض کرلیں تو سوا من کے چار ہزار زنار ہوئے۔ اورنگ زیب نے ۴۹ سال سلطنت کی ہے اِن سالوں کے دن بناکر جب چار ہزار پر ضرب دیجاتی ہے۔ تو چھ کروڑ اکہتر لاکھ اڑتالیس ہزار جواب آتا ہے۔ اور ہم کو نتیجہ یہ ملتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں صرف نومسلم لوگوں کی تعداد پہلے مسلمانوں کی تعداد کو چھوڑ کر اتنی ہوگئی تھی۔ حالانکہ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد اس تعداد کی دو تہائی سے بھی کم تھی

کاش کوئی معترض ہم پر اعتراض کرنے کے لیئے ہماری اس تعداد کو اول پورا کر دینے کی تدبیر عمل میں لائے:۔

آخر میں اپنے مہربان معترض سے میں یہ بھی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جن قوموں پر کبھی کسی اسلامی بادشاہ نے لشکر کشی نہیں کی۔ اور جن ملکوں پر کسی اسلامی سلطنت نے سایہ تک نہیں ڈالا:۔

اسلام وہاں کیونکر پہنچا۔ ملایا۔ جاوہ۔ مجمع الجزائر۔ امریکہ۔ برطانیہ۔ افریقہ کے اکثر حصے۔ چین کا سارا ملک غرض اور چھوٹے چھوٹے بہت سے ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد سینکڑوں سے لیکر کروڑوں تک موجود ہے۔ بااین ہمہ اُن ملکوں نے اسلامی تلوار تو کیا اسلامی اقتدار بھی کبھی نہیں دیکھا۔ بیشک یہ سب کچھ اُسی زبردست مصلحت اور محکم حکم کی وجہ ہے جو آیت ذیل میں ہے:۔

هُوَالَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۔

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس دین کو سب دینوں کے اوپر ظاہر کرے:۔

اور یہ اسی زبردست پیشگوئی کا مصداق ہے۔ جو اس آیت میں ہے:۔

کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ

مسلمانوں کی مثال کھیتی جیسی ہے جسکی باریک سی سوئی زمین سے نکلتی ہو۔ پھر وہ ذرا مضبوط ہوجاتی ہے پھر موٹی بنجاتی ہے

[1] ایک زنار کا ایک تولہ وزن زیادہ سے زیادہ ہوسکتا ہے ۱۲۔

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ -	اور اپنی جڑ پر کھڑی ہوجاتی ہے کھیتی کرنیوالیکو وہ اچھی لگتی ہے:-

یاد رکھو کہ اسلامی اشاعت کے صرف دو ذریعہ رہے ہیں:-

(۱) علماء کا وعظ اور اولیاء کا فیضان صحبت:-

(۲) تجارت پیشہ لوگوں کی تبلیغ:-

اسلامی اشاعت کی وجوہات۔

بیشک یہی سادہ ذریعے دلفریب اسلام کی اشاعت کا باعث رہے ہیں۔ اور بس۔ واعظین میں سے ایک کامیاب نظیر اٹھارویں صدی کے آخیر کی ہے۔ ایک درویش منصور نامی نے کوہ قاف کی قوموں میں اسلام پھیلایا۔ سرکیشیا قوم کو کلمہ پڑھوایا چنانچہ ۱۸۶۰ء میں پچاس لاکھ سرکیشی مسلمان ہجرت کرکے سلطنت عثمانیہ میں چلے آئے تھے:-

رہی تجارت اس نے گویا ہر ایک ملک و ہر ایک قوم میں اپنا فیض پہنچایا ہے یعنی مسلمان تاجر جہاں گئے، وہاں صرف مال تجارت ہی نہیں پہونچایا بلکہ دین حقہ بھی:- معلوم ہوتا ہے۔ کہ

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ - الآیۃ	خدا نے ایمان والوں کی جانوں کو خرید لیا ہے:-

کا صحیح مصداق اُن ہی نے سمجھا تھا۔ اور اس لیئے بیع و شرائے صوری کے ساتھ یہ معنوی خرید و فروخت بھی جاری کر رکھی تھی:-

بزرگواران ملت میری اس قدر سمع خراشی سے یہ بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اشاعت اسلام کا ذریعہ تلوار نہ تھی۔ اور اسلام کی روحانی طاقت کبھی سلطنت یا حکومت کی تائید کی احتیاج نہ رکھتی تھی۔ بلکہ اسلام کی روحانی طاقت نے دنیاوی شان و شوکت کی فقدان کی حالت میں اپنے ربانی جلال کو روشن تر دکھلایا ہے اور اسلام کی اشاعت کرنے والوں نے اپنے معمولی کاروبار دنیوی میں مشغول رہکر بھی مسلمانوں کی تعداد میں بیّن و نمایاں اضافے کیئے ہیں۔ میں اپنے اخوان الصفا اور بزرگان ملت سے یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ پھر ہم میں سے ہر ایک کو کیوں۔ اُن اسباب پر غور نہ کرنا چاہیئے۔ جن پر ہمارے مقتدیں صدیوں تک کاربند رہ کر کامیاب ہوتے رہے ہیں:-

عیسائیوں میں ترویج دین کے ذمہ وار پادری لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام میں ہر مسلمان اس فرض لازم کا زیر بار ہے۔ اس لیئے ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ مندرجہ ذیل اصول پر غور

سلہ دعوت اسلام مصنفہ پروفیسر آرنولڈ صاحب:-

اور عمل کرنے میں لگا رہے:-

اول سب سے زیادہ ضروری مسئلہ تعلیم کا ہے۔ اگر میں اس پر مفصل گفتگو کروں۔ تو یہ بجائے خود ایک مستقل اور وسیع مضمون ہے۔ مگر میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ فہرست تعلیمی میں زیادہ تر دو مقاصد ملحوظ رکھنے چاہئیں:-

(۱) طالب علم کی حالت معاش اُس سے درست ہوتی ہو:-

(۲) قوم اور دین کی ضروریات اس تعلیم سے پورے ہوتے ہوں:-

سلسلہ تعلیم میں جو فن یا جو کتاب ان ہر دو مقاصد کو پورا نہ کر سکتی ہو۔ اُسے بدل دینا چاہیئے۔ ہر ایک طالب علم کو ایک بار آور درخت سمجھو۔ جو اپنے مالک کو پھل دیتا اور سب کو سایہ کا آرام بخشتا ہے۔ ہماری تعلیم گاہ کے طالب علم بھی ایسے ہی ہونے چاہییں۔ جو اپنی قوم کو بھی اپنے علم وفضل سے متمتع کرتے رہیں اور غیر اقوام پر بھی اپنا سایہ ڈال سکیں ایسے مقاصد کی تکمیل کے لئے تعلیم کے علاوہ تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ جن کی تربیت خلق محمدی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطابق ہوگی وہ ضرور بہ صفت موصوف ہونگے:-

دوم۔ تعلیم کے بعد دوسرا مسئلہ اخوت فی الدین کا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ اسلام نے اُن تمام اختلافات کو جو ملک وقوم رنگ وزبان کے جدا جدا ہونے سے بنی آدم میں پیدا ہوگئے ہیں یک قلم اُٹھا کر سب کو ایک ہی حبل المتین سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔	اللہ کا چڑھایا ہوا رنگ اور اللہ سے بڑھ کر کون اچھا رنگ چڑھا سکتا ہے۔

کے ایک ہی خم سے سب کو رنگین بنایا ہے:-

اس لئے ہمارا بھی یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اتحاد واتفاق کی جامع صورتوں اور محکم اصولوں کو اپنا دستور العمل بنا کر اخوت فی الدین کا پاک نمونہ دنیا کو دکھلائیں:-

سوم اس کے بعد مسئلہ تجارت ہے۔ مشرق سے مغرب تک اسلام کی وسعت اہل اسلام کی تجارت سے ہوئی ہے۔ اور دنیا کے اس سرے سے لے کر اُس سرے تک صرف تجارت کے طفیل ہی یورپ کی قومیں جہان کی مالک بن گئی ہیں:-

یہ دونوں نظیریں بتلا رہی ہیں۔ کہ تجارت میں کس قدر دینی ودنیوی فوائد ہیں:-

پس میرے نزدیک جہاں تک مسلمانوں سے ہو سکے اپنے روپیہ کو تجارت میں لگانا۔ اور قوم کو

بچوں کو اس فن شریف کی جانب متوجہ کرنا برکات دارین کا موجب ہے:۔
اب میں دعا پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور دعا سے پہلے سامعین کا شکریہ جنہوں نے میرے خیالات پریشان کو ایسی بردباری سے سنتے رہنا گوارا فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتْمِمْهَا عَلَيْنَا۔

الٰہی ہمارے دلوں میں الفت ڈالدے۔ اور ہمارے باہمی معاملات میں صلاحیت بھردے۔ ہم کو سلامتی کے راہوں پر لیئے چل۔ اور ہم کو اندھیروں سے نکال کر نور میں رہنے دے۔ الٰہی تمام اندرونی اور بیرونی برائیوں سے ہم کو بچا۔ الٰہی ہمارے دل آنکھ کان پر اپنی برکت نازل کر ہمارے اہل وعیال کو ہمارے لیئے مبارک بنا ہماری توبہ قبول فرما۔ بیشک توبہ کا قبول کنندہ صرف تو ہے۔ الٰہی اپنی نعمت کے ساتھ ہم کو شکر و ثنا کے ادا کرنے کی توفیق بھی دے:۔

ہمارے میں تیری نعمت کے قبول کرنے کی قابلیت رہے اور تو اپنے انعام و اکرام کو ہمارے لیئے تمام فرماتا رہے:۔

آمین یارب العالمین:۔

قاضی محمد سلیمان منصورپوری

ریاست پٹیالہ

تمت

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک پر یہ کتاب نہایت مستند اور صحیح روایات سے قاضی حاجی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے مدون و مرتب کی ہے۔ علما سیر و تاریخ کا اتفاق ہے۔ کہ اس سے بہتر کوئی کتاب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آجتک کسی زبان میں تالیف نہیں ہوئی۔ جو لوگ اپنے نبی صلعم کے فدائی اور اسلام کے شیدائی ہیں۔ وہ اس کتاب کو پڑھیں دل میں سرور آنکھوں میں نور۔ ایمان میں تازگی۔ عقیدہ میں پختگی۔ محبت الٰہی میں استحکام۔ اور اطاعت نبوی میں کمال اہتمام حاصل ہوجاویگا۔

قیمت حصہ اوّل۔ دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ/) محصول ڈاک (۷ر)

قیمت حصہ دویم۔ چار روپیہ۔ (اللعہ) محصول ڈاک

مُصنّف کی دیگر مطبوعہ کتب یہ ہیں

(۱) غایت المرام۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۸ر

(۲) تائید الاسلام۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۸ر

(۳) الصّلوٰۃ و السّلام۔ قیمت ۔۔ ۔۔ عہ

(۴) معراج المؤمنین۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۶ر

(۵) بُرھان۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۲ر

(۶) انجیلوں میں خدا کا بیٹا۔ قیمت ۔۔ ۲ر

(۷) واعظین کو نصیحتیں۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۲ر

(۸) مہر نبوت۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۳ر

(۹) محاکمہ۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۰ر

(۱۰) استقامت۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴ر

(۱۱) تفسیر سورہ یوسف علیہ السلام زیر طبع ہے

حالات کربلا معلّے۔
سفر نامہ حج۔
رحمۃ للعالمین حصہ سوم } عنقریب چھپوا جاوینگے

ملنے کا پتہ

شیخ ہدایت اللہ ضلعدار منیجر دفتر رحمۃ للعالمین پٹیالہ عطر والہ دروازہ

باہتمام ملک چراغدین مالک کیکسٹن پرنٹنگ الیکٹرک ورکس دہلی